صحیح بات یہ ہے کہ دنیا کے دانشور ہمارے بارے میں جو کچھ لکھتے رہے ہیں' اگر اس پر ہماری نظر ہوتی اور ہم اپنی گھات میں بیٹھ کر بڑی بے رحمی سے اپنا محاسبہ کرتے تو شاید نہ صرف ہماری سیاست بازیچہ اطفال نہ بنتی بلکہ ہماری ثقافت' ہماری روحانی اور فکری قدروں کا دنیا میں احترام بھی کیا جاتا۔ آج سے بہت سال پہلے مرحوم سید امیر علی کی معروف کتاب The Spirit of Islam پر تبصرہ کرتے ہوئے نیویارک ٹائمز میں ڈبلیو' جی' تنکم فرنڈز (W.G. Tinckom Fernandez) نے لکھا تھا:

"لوزاں کی فتح (معاہدہ لوزاں' ۱۹۲۳ء میں ہوا جس میں جنگ عظیم کی فاتح اتحادی طاقتوں نے مصطفیٰ کمال پاشا کی فوجی کامیابیوں کے بعد ترکی کی آزادی کو تسلیم کیا۔) دراصل یورپ کے سیاست دانوں پر (ترکی کی) فتح ہے۔ اس فتح کے بعد مستقبل میں ایشیائی آنکھیں دہلی میں فتح دیکھنے کی منتظر ہیں۔ کیوں کہ یہاں اسلام کو اپنی تقدیر کا سامنا کرنا ہے۔ یہاں فتح تلوار کے بل پر نہیں جو ماضی میں فتح کا یہی ایک ہتھیار تھا بلکہ دہلی میں یہ فتح اخلاقی' اجتماعی اور سیاسی عہد نامے کی فتح ہوگی جس کی رو سے ملک (ہندوستان) کی حکومت' جہاں اکثریت غیر مسلم ہے' مغربی جمہوریت کے اصولوں کی حکومت ہوگی' جنھوں نے لوزاں میں فتح پائی ہے۔

لیکن ایک جارحانہ تھیوکریسی رکھنے والے عقیدے کو جو ایک سیاسی غلبے کا عقیدہ ہے' ایک گہری بصیرت (Great Vision) رواداری اور انسانی ہمدردی (Charity) اور باہمی افہام و تفہیم (Understanding) کی ضرورت ہے تاکہ ملک کے اقتدار میں شریک ہو سکے' جہاں ان کے پیروؤں کی تعداد صرف ایک چوتھائی ہے۔"

مرحوم سید امیر علی کی کتاب پر تبصرے سے پہلے سر ولیم میور نے اپنی کتاب "خلافت کا عروج و زوال" (The Caliphate: Rise, Decline and Fall) کے اختتام پر لکھا تھا: "عیسائی قومیں وقت کے ساتھ ساتھ تہذیب' آزادی' اخلاق' فلسفہ' سائنس اور آرٹ میں ترقی کرتی جائینگی لیکن اسلام جہاں کھڑا ہے وہیں کھڑا رہے گا۔ کیوں کہ تاریخ نے ہمیں یہی بتایا ہے۔"

یہ دونوں بیانات شاید بعض دوستوں کو پسند نہ آئیں' لیکن کیا ہم نے پاکستانی سوسائٹی کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے Charity, Great Vision اور Understanding کا مظاہرہ کیا جس کی تبصرہ نگار نے ہم سے توقع کی تھی؟

گزشتہ پچاس سال میں ہمارے سیاست دانوں اور ماہرین عمرانیات نے کھل کر اس موضوع

پر بات چیت نہیں کی کہ آخر جب بھارت اور پاکستان ایک ہی دن میں آزاد ہوئے تھے تو پھر دہلی کی طرح کراچی یا اسلام آباد میں ہمارے قومی دستور کو بار بار ناکامی کا سامنا کیوں کرنا پڑا' اور ہر سیاسی حکومت نے اپنی مقررہ مدت پوری کیوں نہیں کی؟ اس کے برعکس دلی میں آج تک اسی دستور کی حکمرانی ہے' جسے ۱۹۴۸ء میں دستور ساز اسمبلی نے متفقہ طور پر پاس کیا تھا۔ حالانکہ دونوں جگہ بددیانتی' رشوت کی گرم بازاری اور آدم کی ارزانی پائی جاتی ہے۔ البتہ بھارت کے سیاست دان بری بھلی اور لنگڑی لولی جمہوریت کو قائم رکھنے میں کامیاب رہے جس کی وجہ سے سیاسی دنیا میں ابھی تک ان کی بات بنی ہوئی ہے۔ پاکستان کے ایک سابق وزیراعظم چوہدری محمد علی نے کہا تھا کہ قائداعظم کو اپنے ساتھیوں کی سیاسی تربیت کا موقع نہیں ملا جب کہ مہاتما گاندھی کو یہ موقع ملا تھا۔ لیکن اب ۵۲ برس پورے ہو گئے ہیں۔ آخر دو بڑی سیاسی جماعتوں نے جو گزشتہ دس سال میں دو دو بار ایوان اقتدار میں آکر بھی اپنی ہی قیدی بنی رہیں' اس مسئلے پر کیوں کھل کر بات نہیں کی کہ ہم اپنے دستور پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ واقعہ یہ ہے کہ لوگوں میں بنیادی تعلیم کو پھیلانا اور عوام کی معاشی خوش حالی کے لیے کام کرنا جس کے بغیر مہذب سوسائٹی کا تصور مشکل ہے۔ ہمارے "موجودہ سیاسی کلچر" کا حصہ نہیں ہے۔

اقوام متحدہ کے ایک سابق سیکریٹری U.Thant نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا: "ہمارے عہد کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی نے جس تیزی سے ترقی کی ہے' اخلاقی اور روحانی ارتقاء نے اس رفتار سے ترقی نہیں کی۔ آج سائنس دان اس دنیا سے نکل کر چاند' مریخ اور دوسرے سیاروں تک جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں... ہماری اخلاقی اور روحانی ترقی کو (جو سائنسی ترقی سے پیچھے ہے) سائنس اور ٹیکنالوجی کے پہلو بہ پہلو چلنا چاہیے۔"

U. Thant نے سائنس و ٹیکنالوجی کے حوالہ سے اخلاقی اور روحانی ترقی کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہی بات ہماری سیاسی زندگی پر بھی صادق آتی ہے۔ جب تک ہماری سیاسی' اجتماعی اور معاشی سرگرمیوں کا رشتہ صحت مند اخلاقی اور روحانی قدروں سے نہیں جوڑا جاتا اور اخلاقی ذمہ داری کا گہرا احساس ہمارے رگ وپے میں نہیں اترتا' اس وقت تک ہم سیاست' معیشت اور تعلیم میں کوئی ترقی نہیں کر سکیں گے۔ فشر (Fisher) نے تاریخ یورپ میں لکھا ہے کہ "برصغیر میں برطانوی راج ۵ ہزار I.C.S. کا رہین منت ہے جو دیانتدار' قابل اور محنتی تھے۔ جنہوں نے دو سو سال تک برصغیر پر برطانوی راج کو قائم رکھا۔" گزشتہ نصف صدی کے واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ آزادی عوام کو

دکھوں' محرومیوں اور مایوسیوں سے نجات نہ دلا سکی اور وہ (آزادی) ایک سراب ثابت ہوئی۔ ان تلخ حقائق کے پیش نظر ہماری موجودہ حکومت سے درخواست ہے کہ وہ اس بات کو نہ بھولے:

۱۔ یہ ملک جمہوری عمل کے نتیجہ میں وجود میں آیا ہے' اس کی بقا بھی جمہوری عمل ہی سے وابستہ ہے اور جس گروہ نے اسے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ اس کا محاسبہ کیا جائے اور اسے نااہل قرار دے کر سیاسی زندگی سے خارج کر دیا جائے۔

۲۔ ۱۹۷۳ء کے دستور کی روح پر عمل کرتے ہوئے: (الف) ملک سے جاگیرداری نظام کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے' جاگیرداری کلچر کو ختم کیے بغیر ملک میں جمہوریت کا سورج کبھی طلوع نہیں ہو گا۔ (ب) تعلیم کو عام اور بامقصد بنا کر ہی ہم اپنے "تشخص" کا سراغ پا سکتے ہیں۔

۳۔ ہر سال پوری قوم اقبال اور محمد علی جناح کے یوم ولادت پر دونوں کی فکری اور سیاسی قیادت کو خراج تحسین پیش کرتی ہے۔ ان رہنماؤں کو خراج عقیدت ادا کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ملک میں دستوری حکومت کے قیام' معاشی اصلاحات کے اجراء اور کرپٹ سیاست دانوں کے محاسبہ کے لیے ایک ٹھوس پروگرام بنایا جائے۔ سکنڈے نیویا ممالک (ناروے' ڈنمارک' سویڈن) کی فلاحی ریاستیں ہمارے سامنے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ سیاست و معیشت میں اپنے تاریخی تجربات' اقبال و جناح کے افکار اور دور حاضر کے تجربوں کی روشنی میں ایک سنجیدہ قومی منصوبہ بنا کر اقبال و جناح کی یاد منائیں۔

۵۔ اگر موجودہ حکومت حالیہ فرسودہ نظام سے جس نے ہمیں کرپشن کے سوا کچھ نہیں دیا' عوام کو نجات دلا دے تو یہ ایک تاریخی کارنامہ ہو گا۔

قرآن مجید نے ناکام لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: (اے پیغمبر ﷺ!) ان سے کہہ دیجئے: کیا ہم تمہیں بتائیں کہ کون لوگ اپنے کاموں میں سب سے زیادہ نامراد ہوئے؟ وہ جن کی ساری کوششیں دنیا کی زندگی میں کھوئی گئیں اور وہ اس دھوکے میں پڑے ہیں کہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ (الکہف: ۱۰۳)

انہی نامراد لوگوں کے بارے میں قرآن نے مزید فرمایا کہ جب ہم نے ان کو ان کے کرتوتوں کی سزا دی' تو "وہ بجھے ہوئے انگاروں (خامدین) اور کٹے ہوئے کھیت (حصیداً)" کے سوا کچھ نہ تھے۔ "فھل من مدکر؟" (تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟)

رشید احمد (جالندھری)

☆☆☆